(۸۹)

سورۂ فجر

مکہ مکرمہ میں نازل ہوا۔ اس میں تیس آیتیں ہیں۔

سورۂ ماقبل سے ربط سورۂ فجر کا سورۂ ماقبل سے ربط اور مناسبت اس اعتبار سے ہے کہ سورۂ ماقبل میں "وجوہ یومئذ خاشعۃ" اور "وجوہ یومئذ ناعمۃ" کا بیان ہوا تھا کہ قیامت میں لوگوں کے چہروں کا حال دو طرح ہوگا۔ کوئی تو اداس، ڈراؤنے اور سوکھے ہوئے اور کوئی تر و تازہ ہشاش بشاش۔ یہاں ان احوال کے اسباب بیان فرمائے جا رہے ہیں کہ اداسی ہوگی تو کن کے چہروں پر اور کس بناپر؟ اور آثار مسرت نمایاں ہونگے تو کن پر اور کس سبب سے؟

علامہ جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ وجوہ مناسبت کئی طرح ہیں۔ ایک یہ کہ ماقبل سورت کا اختتام جس بیان پر ہوا تھا اسی بیان کی تصدیق اور اس کی صحت پر متعدد قسموں سے اس سورت کا آغاز ہو رہا ہے۔ دوسری وجہ یہ کہ وعدو وعید وہاں کی طرح یہاں بھی ہے۔ تیسری وجہ یہ کہ وہاں آثار قدرت

افلا ینظرون کے ذریعہ دکھائے گئے تھے یہاں الم تر کے ذریعہ دکھائے جا رہے ہیں۔ واللہ اعلم۔

(۸۹) سورۃ الفجر مکیۃ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے"

89-1
89-2 وَالۡفَجۡرِ ۙ وَلَیَالٍ عَشۡرٍ ۙ وَّالشَّفۡعِ وَالۡوَتۡرِ ۙ وَالَّیۡلِ اِذَا
89-3
89-4 یَسۡرِ ۚ ہَلۡ فِیۡ ذٰلِکَ قَسَمٌ لِّذِیۡ حِجۡرٍ ؕ قسم ہے فجر کی اور دس راتوں
89-5 کی اور جفت اور طاق کی اور اس رات کی جب کہ اس میں چلے ہے ان چیزوں کی قسم عقل والوں کے لئے"

والفجر کی تفسیر | وَالۡفَجۡرِ "قسم ہے فجر کی" اسکی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ فرماتے ہیں قسم اقسم اللہ به ۔ (ابن جریر ابن ابی حاتم) منجملہ اور قسموں کے یہ بھی ایک قسم ہے جس کے ذریعہ اللہ سبحانہ نے فجر کی اہمیت ظاہر فرمائی ہے" اور حضرت میمون بن مہران فرماتے ہیں:۔ ان اللہ تعالی یقسم بما شاء من خلقه ولیس لاحد ان یقسم الا باللہ ۔ (ابن ابی شیبہ) اللہ سبحانہ تعالی کو اختیار کامل حاصل ہے کہ وہ اپنی مخلوقات میں سے جس کی قسم چاہے قسم اختیار فرمائے اور اللہ کے سوا اور کسی کو یہ حق نہیں کہ اللہ کے سوا اور کسی کی قسم کھائے"

عرض فقیر فقیر کے نزدیک اس کی وجہ یہ ہے کہ قسم کے ذریعہ کسی چیز کو عزت دیجاتی ہے اور عزت دینا اللہ سبحانہ کا کام ہے۔ یعز من یشاء۔ جس کو چاہے عزت دے۔" کیونکہ ان العزۃ للہ جمیعا۔ ساری عزت اللہ سبحانہ کی ذات کے ساتھ ہی مختص ہے۔ وہ جس کو عزت دے کوئی اس کو ذلیل نہیں کرسکتا اور نہ اس کی دی ہوئی عزت کو کوئی چھین سکتا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ گواہ نہ ہونے کی صورت میں قسم دی جاتی ہے تو قسم بھی گواہ کے قائم مقام ہوئی۔ اللہ سبحانہ تعالی قادر ہے کہ جس چیز کو چاہے بطور گواہ حاضر لاسکے۔ اللہ تعالی کے سوا اور کسی کو یہ اقتدار حاصل نہیں۔ لہذا اللہ سبحانہ جس کی قسم چاہے دے سکتا ہے لیکن بندہ جب اس کو کوئی گواہ نہ ملے تو وہ صرف اللہ سبحانہ تعالی ہی کا واسطہ دے سکتا ہے اور کہہ سکتا ہے کہ اللہ سبحانہ اس کا شاہد ہے۔ اللہ سبحانہ کے سوا اور کسی چیز کو وہ پیش نہیں کرسکتا۔

فجر سے صبح صادق مراد ہے یہاں فجر جس کی قسم کھائی جارہی ہے اس سے کیا مراد ہے؟ حضرت سیدنا ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ فجر النہار۔ (فریابی، ابن جریر، ابن ابی حاتم، حاکم بروایت صحیحہ بیہقی) دن کا ابتدائی حصہ مراد ہے۔" عکرمہ بھی فرماتے ہیں:۔ ھو الصبح۔ (ابن جریر، ابن ابی حاتم) فجر سے صبح صادق مراد ہے۔" جب سے دن شروع ہوتا ہے۔ اور اسی کے آغاز سے احکام متعلق ہوتے ہیں چنانچہ روزہ یہیں سے

شروع ہوتا اور نماز فجر کی ادائی کا فریضہ یہیں سے عاید ہوتا ہے۔ رات کا تعطل دور ہوتا اور کاروبار کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ ؎

علی الصباح کہ مردم بکاروبار روند بلاکشان محبت بکوئے یار روند

اس کا خلاصہ یہ ہوا کہ یہاں الفجر سے جنس فجر مراد ہے کسی خاص دن کی فجر مراد نہیں یعنی الفجر پر جو الف و لام ہے وہ جنسی ہے۔

فجر سے نماز فجر مراد ہے نیز حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ یعنی صلٰوۃ الفجر۔ (ابن جریر) فجر سے نماز فجر مراد ہے"۔ عطیہ کوفی کا قول بھی یہی ہے۔ جس میں رات اور دن کے محافظ فرشتے شریک رہتے ہیں جیساکہ سورۂ بنی اسرائیل میں ہے:۔ ان قرآن الفجر کان مشھودا۔ اس آیہ کریمہ کی تفسیر حضرت سید الشیوخ قدس سرہ کے قلم فیض رقم سے گزر چکی۔ مطلب یہ ہوا کہ فجر کی قسم محض نماز فجر کی بدولت ہے۔ اگر کسی نے یہ نماز ہی ادا نہ کی تو اس کی یہ صبح اسلامی نقطۂ نظر سے کوئی اہمیت ہی نہیں رکھتی۔

فجر سے غرۂ ذی الحجہ کی فجر مراد ہے ضحاکؒ فرماتے ہیں:۔ فجر اوّل یوم من ذی الحجۃ لانہ قرن بہ اللیالی العشرۃ۔ (مظہری) ماہ ذی الحجہ کی پہلی تاریخ کی فجر مراد ہے۔ کیونکہ اس سے متصل دس راتوں کا بیان آرہا ہے"۔ (جو وہ بھی ذی الحجہ کی ابتدائی دس راتیں مراد ہیں۔) جو فریضۂ حج کی ادائی کا

یوم النحر میں جو عبادات ادا ہوتے ہیں وہ حضرت ضحاک کے قول کے ضمن میں بیان ہو چکے ۔ نیز اس دن عیدالاضحیٰ ہے جس کی اہمیت ظاہر ہے ۔ حضرت عکرمہؓ بھی یہی فرماتے ہیں :۔ طلوع الفجر غداۃ جمع ۔ (عبد بن حمید) مزدلفہ میں رات گزارنے کے بعد جو صبح ہوتی ہے یعنی دسویں ذی الحجہ کی صبح ۔ یہاں وہی صبح مراد ہے "۔

فجر سے معنی مصدری مراد ہیں بعض مفسرین نے فجر سے صبح کا وقت مراد نہیں لیا بلکہ فجر کے لغوی معنی انفجار مراد لئے ہیں یعنی قسم ہے جاری ہونے اور پھوٹ کر نکلنے کی " خواہ وہ صبح ہو یا نہریں اور چشمے وغیرہ ۔ جیساکہ فانفجرت منہ اثنتا عشرۃ عیناً ۔ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا کو پتھر پر مارنے سے بارہ چشمے بہ نکلے " یا پتھر سے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کا بر آمد ہونا' بارش کا برسنا' یا گناہ گاروں کی آنکھوں سے توبہ و استغفار کے وقت' اشک ندامت پھوٹ پھوٹ کر نکلنا ۔ ؎

براں از دو سر چشمۂ دیدہ جوے ورآلائشے داری از خود بشوے

یہ مصدری معنی اوپر بیان کئے ہوئے تمام معانی کے لئے جامع ہیں ۔ بہر حال جو بھی مراد ہو لفظ میں اس کی گنجائش ہے ۔ اس سے کلام پاک کی بلاغت اور جامعیت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ والفجر کے ایک کلمہ میں معانی و مرادات کا ایک سمندر ہے کہ سما دیا گیا ہے ۔ سبحانہ ما اعظم شانہ ۔

زمانہ ہے' ذی الحجہ کا چاند دیکھتے ہی حج کی تیاری شروع کر دی جاتی ہے منیٰ و عرفات اور مزدلفہ کے قیام و وقوف کا سامان چھٹی تاریخ تک کر لیا جاتا ہے۔ ساتویں کو حرم شریف میں خطبہ دیا جاتا ہے جس میں قیام منیٰ و عرفات کے آداب و مناسک بیان ہوتے ہیں۔ آٹھویں کو منیٰ کی طرف روانگی عمل میں آتی ہے اور رات کو وہاں قیام ہوتا ہے۔ پھر نویں کو عرفات جاتے ہیں۔ وہاں فریضۂ حج ادا ہوتا ہے۔ شام کو مزدلفہ آتے ہیں اور رات مزدلفہ میں بسر ہوتی ہے۔ پھر صبحدم وہاں سے جانب منیٰ روانہ ہوتے ہیں۔ منیٰ میں رمی جمار، قربانی اور حلق سے فارغ ہو کر احرام کھول دیا جاتا ہے۔ پھر طواف زیارت کا فریضہ مکہ مکرمہ میں ادا کر کے منیٰ کو واپسی عمل میں آتی ہے اس طرح یہ دس راتیں اور دس دن بسر ہوتے ہیں۔ اس لئے ان دس راتوں کی قسم کھائی جا رہی ہے۔

فجر سے غرہ محرم کی فجر مراد ہے حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں :۔ ھو اول فجر المحرم ینفجر منہ السنۃ۔ (مظہری) ماہ محرم کی پہلی تاریخ کی فجر مراد ہے جس سے نئے سال کی ابتدا ہوتی ہے۔" حضرت ابن عباسؓ کا ایک قول بھی اسی طرح ہے۔ (سعید بن منصور، بیہقی، ابن عساکر) اور حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں :۔ فجر یوم النحر ولیس کل فجر۔ (ابن ابی حاتم) یوم النحر یعنی دسویں ذی الحجہ کی فجر مراد ہے۔ ہر روز کی فجر مراد نہیں۔"

ولیالٍ عشر کی تفسیر | وَلَیَالٍ عَشْرٍ ۔ اور قسم ہے دس راتوں کی ۔ یہ دس راتیں کونسی ہیں؟ اس کی نسبت مفسرین کرام کے حسب ذیل اقوال ہیں :۔

عشرۂ ذی الحجہ | حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ حضور رسول دو جہاں علیہ صلوات الرحمان نے فرمایا :۔ انّ العشر عشر الاضحیٰ ۔ (امام احمدؒ، نسائی، بزار، ابن جریر، ابن المنذر، ابن مردویہ، حاکم بروایت صحیحہ، بیہقی) ان دس راتوں سے، ذی الحجہ کی دس راتیں مراد ہیں ۔ جن میں ادائے فریضۂ حج کی تیاری، احرام، خطبات حج کی شرکت، منیٰ و عرفات و مزدلفہ کی روانگی، رمی، حلق، قربانی، طواف و سعی بین الصفا والمروہ وغیرہ مناسک ادا ہوتے ہیں ۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں :۔ عشرۃ الاضحیٰ و فی لفظ قال ھی لیالی العشر الاوّل من ذی الحجۃ ۔ (فریابی، عبد بن حمید، ابن جریر، ابن المنذر، ابن مردویہ، حاکم بروایت صحیحہ، بیہقی) ذی الحجہ کا عشرہ مراد ہے ۔ اور ایک روایت یوں ہے کہ ذی الحجہ کی پہلی دس راتیں مراد ہیں ۔ اور یہی قول حضرت ابن زبیرؓ مجاہد، قتادہ، عکرمہ، وغیرہ ائمہ تفسیر کا ہے ۔ حضرت ضحاک بن مزاحم فرماتے ہیں :۔ عشر الاضحیٰ اقسم بھن لفضلھن علی سائر الایام ۔ (فریابی، عبد بن حمید) عشرہ اضحیٰ مراد ہے کیونکہ ان کو سال کے تمام دنوں پر فضیلت حاصل ہے ۔ حضرت مسروقؒ فرماتے ہیں :۔ عشر الاضحیٰ وھی التی وعد اللہ موسیٰ قولہ واتممناھا بعشر ۔ (عبد بن حمید)

ذی الحجہ کا عشرۂ اولیٰ مراد ہے۔ یہ وہی راتیں ہیں جن کا اللہ سبحانہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے وعدہ دیا تھا چنانچہ فرمایا:۔ واتممناھا بعشر۔ یعنی اللہ سبحانہ نے توریت شریف دینے کے لئے حضرت موسیٰؑ کو حکم دیا کہ تیس دن (ایک مہینے) کے روزے رکھ کر آئیں جب آپ نے اس شرط کی تکمیل کی اور مسواک کر کے طور پر حاضر ہوئے تو ارشاد ہوا کہ موسیٰ! یہ کیا کیا کہ جو خوشبو تمہارے منہ سے آرہی تھی اب نہیں پائی جاتی ہے۔ عرض کیا کہ بار الہا! تیس دن روزے رکھنے سے منہ میں بو پیدا ہو گئی تھی اسلئے مسواک کر کے صاف کیا۔ ارشاد باری ہوا کہ موسیٰ! ہم کو تو وہی خوشبو پسند تھی۔ خیر اب جاؤ اور مزید دس روزے رکھ کر آؤ۔ حضرت مسروق فرماتے ہیں کہ وہ دس دن بھی ذی حجہ کے ابتدائی دس دن تھے۔ چنانچہ حضور سرور کائنات علیہ افضل الصلوات والتسلیمات فرماتے ہیں:۔ لخلوف فم الصائم اطیب عند اللہ من رائحۃ المسک۔ یقیناً روزہ دار کے منہ کی بو اللہ سبحانہ کے نزدیک مشک سے بھی زیادہ پاکیزہ اور خوشبودار ہے" روزے کی حالت میں مسواک کرنے کی ہماری شریعت میں اجازت ہے لیکن اس میں مبالغہ سے کام لے کر منہ کی بو بالکلیہ زائل کرنے کی کوشش نہ کرنی چاہیئے کیونکہ اللہ سبحانہ کو روزہ دار کے منہ کی بو بھی پسند ہے۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اللہ سبحانہ کو روزہ کس درجہ پسند ہوگا اور روزہ دار سے کتنی محبت ہوگی؟ اسی لئے

ارشاد باری ہوا۔ الصوم لی وانا اجزی بہ۔ روزہ صرف میرے لئے ہے اور میں ہی
اس کی جزا دوں گا۔"

لیال عشر کی دوسری تفسیر حضرت ضحاک فرماتے ہیں: ھی العشر الاول من رمضان۔ (مظہری) یہاں ولیالِ عشر سے رمضان المبارک کا پہلا عشرہ مراد ہے۔" حضرت ابن جریج سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ (روح المعانی) **فقیر** عرض کرتا ہے کہ ماہ مبارک رمضان کو تمام مہینوں پر فضیلت ہے کہ روزہ جو اسلام کا رکن اور مقدس فریضہ ہے وہ اسی مبارک مہینے میں ادا ہوتا ہے۔ قرآن کریم اسی میں نازل ہوا شب قدر بقول اکثر اسی مہینے میں ہے۔ رمضان شریف آتے ہی دوزخ کے دروازے بند اور جنت کے دروازے کھول دئے جاتے ہیں۔ شیاطین کو بیڑیاں پڑ جاتی ہیں۔ مساجد آباد اور جرائم کے اڈے ویران نظر آنے لگتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ رمضان شریف کیا آئے ایک مبارک انقلاب آیا۔ جس کو دیکھو وہ روزہ رکھ کر کھانا پینا چھوڑا اور لوازم بشری سے دور ہو گیا۔ ملأ اعلیٰ میں شامل ہوا دیکھنے کو انسان مگر صفت ملائکۃ الرحمٰن بلکہ رحمٰن کی اختیار کی۔ وھو یُطعِم و لا یُطعَم۔ وہ اوروں کو کھلاتا ہے اور وہ خود نہیں کھلایا جاتا۔ پھر تراویح میں راتوں رات قرآن کریم سنتا۔ دیگر اوقات میں خود تلاوت کرتا یا تسبیح و تہلیل، توبہ و استغفار، اوراد و وظائف میں

مشغول رہتا ہے۔ قرآن کریم اور احادیث شریفہ میں روزے کے بے شمار فضائل وارد ہوئے ہیں۔

لیال عشر کی تیسری تفسیر بعض مفسرین کرام نے لَیَالٍ عَشْرٍ سے رمضان شریف کا آخری دہا مراد لیا ہے جس میں حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معتکف رہتے اور لیلۃ القدر کی تلاش فرمایا کرتے تھے اور صحابۂ کرامؓ سے ارشاد ہوتا تھا کہ شب قدر کی تلاش رمضان شریف کے آخری دہے میں اور اس کی طاق راتوں میں کیا کرو۔ یعنی اکیسویں، تیئسویں، پچیسویں، ستائیسویں، انتیسویں رات میں کہ قدر کی ایک رات بموجب نص قرآنی لیلۃ القدر خیر من الف شھر۔ "ایک ہزار مہینوں سے بہتر ہے" اور حضرت ام المومنین سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اس حدیث سے بھی استدلال کیا گیا ہے جس کی صحت پر تمام محدثین کا اتفاق ہے جس میں آپ فرماتی ہیں:۔ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا دخل العشر تعنی العشر الاواخر من رمضان شد مئزرہ واحیا لیلہ وایقظ اھلہ۔ (بخاری شریف) حضرت رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادت شریفہ تھی کہ جب رمضان شریف کا آخری دہا آتا تو آپ عبادت کے لئے پہلے سے زیادہ مستعد ہو جاتے اور شب بیدار رہتے اور اپنے اہل وعیال کو بھی بیدار رہنے کی تاکید فرماتے تھے"۔ نیز حضرت

ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ قوله وليال عشر قال هي العشر الاواخر من رمضان (ابن المنذر، ابن ابی حاتم) ارشاد باری تعالیٰ ولیال عشر کی تفسیر میں فرمایا کہ وہ رمضان شریف کے آخری دہے کی راتیں ہیں۔"

لیال عشر کی چوتھی تفسیر مفسرین کرام کا ایک گروہ اس طرف ہے کہ ولیال عشر سے محرم الحرام کا عشرۂ اولیٰ مراد ہے۔ اور شب عاشوراء و یوم عاشوراء بھی اس میں داخل ہے۔ عاشوراء کی فضیلت میں متعدد احادیث شریفہ وارد ہوئی ہیں۔ محدثین کے نزدیک اگرچہ بعض احادیث بروئے سند ضعیف قرار دی گئی ہیں لیکن بیہقی فرماتے ہیں:۔ هي وان كانت ضعيفة اذا ضمّ بعضها الى بعض احدثت قوة۔ یہ احادیث شریفہ اگرچہ (انفرادی حیثیت سے) ضعیف ہیں لیکن جب سب کو جمع کیا جائے (اور اجتماعی حیثیت سے دیکھا جائے) تو ان میں قوت پیدا ہو جاتی اور ان کا ضعف دفع ہو جاتا ہے۔" کیونکہ رواۃ حدیث کی اتنی کثیر تعداد کسی بے اصل بات کی روایت نہیں کر سکتی۔ اس کے قطع نظر نفس عاشوراء کے باب میں صحیح روایات سے ثابت ہے چنانچہ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ قدم النبي صلى الله عليه وسلم المدينة واليهود تصوم عاشوراء فقال عليه الصلاة والسلام ماهذا اليوم الذي تصومونه قالوا هذا يوم عظيم انجى الله تعالى فيه

موسی واغرق آل فرعون فیہ فصامہ موسی علیہ السلام شکرا فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فنحن احق بموسی منکم فصامہ صلی اللہ علیہ وسلم وامر بصیامہ۔ (بخاری، مسلم، وغیرہما) حضور نبی دوجہاں علیہ صلوات الرحمن مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہودیوں کو دیکھا کہ دسویں محرم کو روزہ رکھا کرتے ہیں آپ نے اس روزے کا سبب دریافت فرمایا تو یہود نے کہا کہ عاشوراء بہت بڑی عظمت والا دن ہے یہ وہ دن ہے جس میں اللہ سبحانہ تعالی نے حضرت موسی علیہ السلام کو نجات دی اور اسی دن فرعون اور اس کی قوم کو غرق کردیا اس کے شکرانے میں حضرت موسی علیہ السلام نے روزہ رکھا تھا۔ اس پر رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب ایسا ہے تو تمہارے مقابلہ میں موسی علیہ السلام کی مسرت میں شریک ہونے کے ہم زیادہ تر مستحق ہیں۔ یہ کہہ کر خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے روزہ رکھا اور مسلمانوں کو بھی روزہ رکھنے کا حکم دیا۔"

صوم عاشوراء کیلئے منادی نیز یہ بھی ثابت ہے:۔ انہ علیہ الصلاۃ والسلام ارسل غداۃ عاشوراء الی قری الانصار التی حول المدینۃ من کان اصبح صائما فلیتم یومہ ومن کان اصبح مفطرا فلیصم بقیۃ یومہ۔ (بخاری، مسلم، وغیرہما) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شب عاشوراء کی صبح میں انصار کی

بستیاں جو مدینہ شریفہ کے اطراف بسی ہوئی تھیں ان تمام میں منادی فرمائی کہ جو کوئی صبح سے کچھ کھائے پئے نہ ہوں وہ دن تمام روزہ رکھیں۔ اور جنھوں نے کھایا پیا ہو تو وہ دن بھر اسی حالت میں امساک کریں "یعنی روزہ دار کی صورت بنائیں اور شام تک کھانے پینے سے احتراز کریں۔

عاشوراء کی اہمیت صحابۂ کرام میں

صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اس فرمان مبارک کی تعمیل کا ایسا اہتمام فرماتے تھے کہ خود عاشوراء کا روزہ رکھتے اور اپنے اہل وعیال کو روزہ رکھاتے۔ یہاں تک کہ کم سن بچے تک روزہ رکھتے۔ ان کو بہلانے کے لئے مسجد شریف کو لے جاتے اور ان کو کپڑے کی گڑیاں اور کھلونے تیار کرتے کوئی بچہ کھانے کے لئے بے تاب ہو کر روتا تو یہ کھلونے دے کر اس کو سمجھاتے اور بہلاتے۔ تاآنکہ افطار کا وقت آجاتا۔ یہ احکام رمضان شریف کے روزوں کا حکم آنے سے پہلے واجب سمجھے جاتے تھے۔ جب رمضان کے روزے فرض ہوئے تو صوم عاشوراء کے احکام منسوخ ہوگئے۔ ان کا وجوب باقی نہیں رہا۔ البتہ عاشوراء کے روزے مستحب ہیں۔

مخالفت یہود کا حکم

حبر الامۃ سیدنا ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول انس و جاں علیہ صلوات الرحمٰن نے یہ بھی فرمایا:۔ صوموا یوم عاشوراء وخالفوا

فیہ الیہود وصوموا قبلہ یوما و بعدہ یوما۔ (امام احمدؒ وغیرہ) دسویں محرم کو روزہ رکھو اور اس میں یہود کا خلاف کرو۔ اس طرح کہ روزہ ایک دن پہلے سے رکھو اور اس کے بعد بھی ایک دن روزہ رکھو"۔ یعنی صرف عاشوراء کے روزے پر اکتفا نہ کرو جیسا کہ یہود کیا کرتے ہیں بلکہ ایک دن پہلے یعنی نویں محرم کا روزہ بھی رکھو اور گیارھویں محرم کا بھی ایک دن اس کے بعد روزہ رکھا کرو۔ اس تدبیر سے یہود کی مشابہت اور موافقت کا احتمال بھی نہیں رہیگا۔ یا صرف ایک دن زائد روزہ رکھو خواہ وہ نویں محرم ہو یا گیارھویں محرم۔

بڑی راتیں صدر اول کی بہرحال ولیال عشر کی تفسیر میں یہ چند اقوال ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ یہ سب مراد ہوں چنانچہ حضرت ابو عثمان فرماتے ہیں:۔ کانوا یعظمون ثلاث عشرات العشر الاول من المحرم والعشر الاول من ذی الحجۃ والعشر الاخیر من رمضان۔ (محمد بن نصر) (صدر اول یعنی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین) تین عشرات (یعنی ان تین دہوں) کی عظمت کیا کرتے اور ان راتوں کو بڑی راتیں تصور فرماتے تھے۔ ایک تو محرم کا پہلا عشرہ (جو عاشوراء پر ختم ہوتا ہے) دوسرا ذی الحجہ کا پہلا عشرہ (جو عید الاضحیٰ پر ختم ہوتا ہے) اور رمضان شریف کا آخری دہا (جس کا سلسلہ شب عید الفطر تک جاری رہتا ہے) خلاصہ یہ ہوا کہ ان عظمت اور

خوشنودی کی خاطر اور آخرت کے لئے کیا کرے کہ یہی صورت مستقل اور پائدار ہے اور
یہی زندگی کامیاب ہے۔ وان الدار الآخرۃ لھی الحیوان۔

والشفع والوتر کی تفسیر | وَالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ۔ اور قسم ہے جفت کی اور طاق
کی "حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی فرماتے ہیں کہ حضور خاتم النبیین صلوات اللہ
وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین نے والشفع والوتر کی تفسیر میں فرمایا:۔ والوتر
یوم عرفۃ والشفع یوم النحر۔ (امام احمدؒ نسائی، بزار، ابن جریر، ابن المنذر، ابن مردویہ
حاکم بروایت صحیح، بیہقی) وتر سے روز عرفہ (جو نویں ذیحجہ کو منایا جاتا ہے اور جو
یوم الحج ہے) اور شفع سے روزِ قربانی مراد ہے۔ (جو دسویں ذیحجہ کو ادا کی جاتی ہے
اور جو یوم العید ہے) نویں تاریخ طاق اور دسویں جفت ہے۔ ان دونوں دنوں کی
فضیلت کیا پوچھنا کہ یوم عرفہ یعنی نویں ذیحجہ کو اقطار عالم کے مسلمان مقام عرفات
میں کمال ذوق وشوق سے کشاں کشاں آکر بحالت احرام ہر سال جمع ہوتے اور فریضۂ
حج ادا کرتے ہیں۔ اور عمر بھر کے گناہوں سے جو حقوق اللہ سے تعلق ہیں پاک ہوتے ہیں،
یہ پاکی حقوق اللہ کی ادائی سے ہوئی۔ اور دسویں شب مزدلفہ میں جمع ہوتے اور
صبح سویرے نماز فجر پڑھتے ہی منیٰ کی طرف روانہ ہوتے ہیں۔ یہاں ان کو حقوق
العباد کی ذمہ داریوں سے منجانب اللہ نجات حاصل ہوتی ہے۔ حقوق العباد سے

خوشنودی کی خاطر اور آخرت کے لئے کیا کرے کہ یہی صورت مستقل اور پائدار ہے اور
یہی زندگی کامیاب ہے۔ وان الدار الآخرۃ لھی الحیوان۔

والشفع والوتر کی تفسیر | وَالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ۔ اور قسم ہے جفت کی اور طاق
کی "حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ فرماتے ہیں کہ حضور خاتم النبیین صلوات اللہ
وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین نے والشفع والوتر کی تفسیر میں فرمایا:۔ والوتر
یوم عرفۃ والشفع یوم النحر۔ (امام احمدؒ نسائی، بزاز، ابن جریر، ابن المنذر، ابن مردویہ
حاکم بروایت صحیح، بیہقی) وتر سے روز عرفہ (جو نویں ذیحجہ کو منایا جاتا ہے اور جو
یوم الحج ہے) اور شفع سے روز قربانی مراد ہے۔ (جو دسویں ذیحجہ کو ادا کی جاتی ہے
اور جو یوم العید ہے) نویں تاریخ طاق اور دسویں جفت ہے۔ ان دونوں دنوں کی
فضیلت کیا پوچھنا کہ یوم عرفہ یعنی نویں ذیحجہ کو اقطار عالم کے مسلمان مقام عرفات
میں کمال ذوق وشوق سے کشاں کشاں آکر بحالت احرام ہرسال جمع ہوتے اور فریضۂ
حج ادا کرتے ہیں۔ اور عمر بھر کے گناہوں سے جو حقوق اللہ سے متعلق ہیں پاک ہوتے ہیں،
یہ پاکی حقوق اللہ کی ادائی سے ہوئی۔ اور دسویں شب مزدلفہ میں جمع ہوتے اور
صبح سویرے نماز فجر پڑھتے ہی منیٰ کی طرف روانہ ہوتے ہیں۔ یہاں ان کو حقوق
العباد کی ذمہ داریوں سے منجانب اللہ نجات حاصل ہوتی ہے۔ حقوق العباد سے

سبکدوشی کی مثال یوں ہو سکتی ہے کہ اللہ سبحانہ ایک خوب صورت محل تیار فرمائے اور اعلان ہو کہ کوئی اس کا خریدار ہے؟ خواہشمند تو ہر شخص ہو گا لیکن اس کی قیمت کہاں سے ادا کرے۔ صاحب حق سے ارشاد ہو گا کہ تم اس کی قیمت ادا کر سکتے ہو۔ وہ عرض کرے گا کہ میرے پاس قیمت کہاں ہے؟ ارشاد ہو گا کہ فلاں شخص پر تمہارا جو حق ہے اگر اس کو چھوڑ دو تو یہی اس کی قیمت ہے۔ وہ بخوشی اپنے حق سے دستبردار ہو جائے گا۔ وہ تمام گناہوں سے اس طرح پاک ہو جاتے ہیں جیسا کہ ماں پیٹ سے پیدا ہوتے وقت پاک تھے۔ گناہوں سے پاکی کا مطلب یہ ہے کہ جن گناہوں کی تلافی ممکن نہ ہو اور نہ تلافی کی کوئی صورت ہو۔

نمازیں بھی جفت و طاق ہوتی ہیں

حضرت عمران بن حصینؓ فرماتے ہیں کہ حضور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے والشفع والوتر کی تفسیر دریافت کی گئی آپ نے فرمایا۔ الصلاۃ بعضها شفع و بعضها وتر۔ (امام احمدؒ عبد بن حمید ترمذی ابن جریر ابن ابی حاتم حاکم بروایت صحیحہ ابن مردویہ) نماز کی طرف اشارہ ہے۔ ان میں سے بعض جفت یعنی جوڑواں ہیں (جیسے فجر ظہر عصر عشا تراویح نماز جنازہ وغیرہ) اور بعض نمازیں طاق یعنی بے جوڑ ہیں (جیسی مغرب اور وتر کی نماز)۔ علامہ طیبی فرماتے ہیں:۔ ھذا ھو التفسیر الذی

لا محید عنہ ۔ یہ تفسیر اتنی صحیح اور واضح ہے کہ اس کو چھوڑ کر دوسرے معنی کی گنجائش ہی نہیں "۔ اس حدیث کی روایت دیگر طرق سے بھی آئی ہے ۔ مگر صاحب بحر المحیط فرماتے ہیں کہ حضرت جابرؓ کی حدیث جو اوپر گزری سند کے اعتبار سے صحیح تر ہے ۔ ایسی حالت میں شفع و وتر کو صرف نماز میں منحصر قرار دینا غور طلب ہے ۔ پھر شفع و وتر کی تفسیر میں سلف صالحین کے اور بھی اقوال ہیں ۔

ہر چیز جفت ہوگی یا طاق چنانچہ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں : ۔ اقسم ربنا بالعدد کلہ منہ الشفع ومنہ الوتر (عبد بن حمید) ہمارے پروردگار تعالیٰ شانہ نے تمام اعداد کی قسم مراد لی ہے جن میں سے بعض اعداد جفت ہیں بعض طاق "۔ یعنی ہر عدد کی قسم ہے خواہ وہ جفت ہو یا طاق ۔ کیونکہ ہر کوئی عدد ان دو احوال سے خالی نہ ہوگا یا جفت ہوگا یا طاق ۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں : ۔ الخلق کلہ شفع و وتر فاقسم سبحانہ بخلقہ ۔ (عبد الرزاق) تمام مخلوق یا تو جفت ہے یا طاق ؛ بس اللہ سبحانہ نے اپنی مخلوقات کی قسم دی ہے "۔ حضرت سیدنا ابن عباسؓ فرماتے ہیں : ۔ اللہ الوتر وانتم الشفع ۔ (ابن جریر) صرف اللہ سبحانہ کی ذات کا جوڑ نہیں اس کے سوا تم سب جوڑ والے ہو "۔ کیونکہ اللہ سبحانہ نے فرمایا ہے : ۔ قل ھو اللہ احد کہہ دیجئے کہ وہ اللہ ہی یکتا ہے "۔ ومن کل شیئٍ خلقنا

زوجین ۔ اور ہر چیز کا ہم نے جوڑ بنایا ہے ‘‘ اس سلسلہ میں اور اقوال اور روایات بھی ہیں بخوف طوالت اسی پر اکتفا کی گئی ۔

رات کو سوتے وقت کی دعا

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں : من قال فی دبر کل صلاۃ واذا اخذ مضجعہ اللہ اکبر اللہ اکبر عدد الشفع والوتر وعدد کلمات اللہ التامات الطیبات المبارکات ثلاثا ولا الہ الا اللہ کذلک کن لہ فی قبرہ نورا وعلی الجسر نورا وعلی الصراط نورا حتی یدخل الجنۃ ۔ (ابن ابی شیبہ) جو کوئی شخص ہر فرض نماز کے بعد (سنتوں سے فارغ ہو کر) اور جب بستر پر دراز ہو کلمات ذیل کو تین بار پڑھتا رہے تو یہ کلمات اس کی قبر میں نور بن کر آئیں گے ۔ اور پل صراط پر نور کا کام دیں گے تا آنکہ وہ شخص جنت میں داخل ہو اس کے حق میں نور ہی نور ثابت ہوں گے ۔ وہ کلمات یہ ہیں :۔

اللہ اکبر اللہ اکبر عدد الشفع والوتر وعدد کلمات اللہ التامات الطیبات المبارکات ۔ لا الہ الا اللہ ۔

واللیل اذا یسر کی تفسیر

وَاللَّيْلِ إِذَا يَسْرِ ۔ اور قسم ہے رات کی جب وہ چلے ‘‘ یعنی رات شروع ہو ۔ وَالْفَجْرِ سے اس سورت شریفہ کا آغاز ہوا تھا ۔ صبح کے لئے شام اور دن کے ساتھ رات لازم ہے اور یہی سلسلہ لیل و نہار جاری ہے

اس لئے والفجر کے بعد اس کی ضد اور مقابل چونکہ رات ہے اس لئے اس کی قسم دی گئی ہے۔ اس اعتبار سے والفجر اور واللیل سے عام صبح و شام مراد ہوں گے جو اپنے ساتھ آفاق و انفس میں مختلف تغیرات لاتے ہیں اور ہر ایک کے لوازم جداگانہ ہوتے ہیں۔

واللیل سے مراد مزدلفہ کی رات

بعض مفسرین نے والفجر کی طرح واللیل سے بھی خاص رات مراد لی ہے۔ کسی نے وہ رات مراد لی ہے جو عرفہ کا دن عرفات میں گزارنے کے بعد وہاں سے مزدلفہ روانہ ہوتے اور وہیں شب گزارتے ہیں چنانچہ حضرت عکرمہؒ سے مروی ہے انھوں نے واللیل اذا یسر کی تفسیر میں فرمایا "لیلۃ جمع۔ (فریابی، عبد بن حمید، ابن جریر، ابن ابی حاتم) وہ مزدلفہ کی رات ہے"

اور حضرت محمد بن کعب قرظی سے دریافت کیا گیا: ما اللیل اذا یسر قال ھذہ الا فاضۃ اسر یا ساری ولا تبیتن الا بجمع۔ (ابن ابی حاتم) واللیل اذا یسر کے معنی کیا ہیں تو انھوں نے فرمایا یہ عرفات سے واپسی کی طرف اشارہ ہے یعنی اے رات کو چلنے والے! رات ہی میں روانہ ہوجا۔ اور رات نہ گزار مگر مزدلفہ پہنچکر" جہاں حجاج عرفات سے واپس ہوتے ہوئے منیٰ کے راستے میں شب گزارتے ہیں۔ یہ وہ مبارک مقام ہے کہ حجاج کو حقوق الناس کی ذمہ داریوں سے بھی سبکدوش کرانے کا وعدہ دیا گیا ہے۔ اللہ سبحانہ کا ارشاد ہے: فاذآ افضتم من عرفات

فاذکروا اللہ عند المشعر الحرام۔ جب تم عرفات سے روانہ ہو جاؤ تو اللہ سبحانہ کی یاد میں لگے رہو مشعر حرام کے پاس۔" جہاں مزدلفہ میں اب مسجد بنی ہوئی ہے۔

قسم لذی حجر کی تفسیر هَلْ فِیْ ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِیْ حِجْرٍ۔ ہے ان چیزوں میں اہتمام عقل والوں کے لئے۔" یعنی یہاں جن چیزوں کی قسم دی گئی ہے یہ چیزیں معمولی نہیں بلکہ نہایت مہتم بالشان ہیں ان کی قدر عقلمند لوگ ہی جانتے ہیں۔ عوام انکی عظمت کیا جانیں عوام کو چاہئے کہ وہ عقلمندوں کی بات مانیں اور ان کا اتباع کریں۔ عام فجر ہو جو روزانہ نمودار ہوتی ہے یا مذکورہ ایام مخصوصہ میں سے کسی خاص دن کی فجر۔ اسی طرح دس راتیں ہر مہینے کے ایک ایک دہے کی راتیں ہوں یا وہ عشرات جن کا خصوصیت کے ساتھ اوپر ذکر کیا گیا۔ ہر چیز جوڑ والی ہو یا بے جوڑ اور ہر رات ہو یا کوئی مخصوص رات عقلمندوں کے نزدیک بجائے خود بڑی قدر و قیمت رکھتی ہے۔ عقلمند اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ اس کی قدر جان کر اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اس کو بیکار ضایع جانے نہیں دیتے۔ اور کمال دانائی یہ ہے کہ وہ آخرت کے کام میں گزرے ؎

غافل ز احتیاط نفس یک نفس مباش　　شاید ہمیں نفس نفس واپسیں بود

مذکورہ قسموں کا جواب قسم حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے:

انہ قرأ والفجر الی قولہ اذا یسر قال ھذا اقسم علی ان ربك لبالمرصاد۔

(ابن المنذر) انھوں نے سورۂ والفجر شروع کیا اور واللیل اذا یسر تک پہنچے
پھر فرمایا کہ یہ تمام قسمیں اس امر پر ہیں کہ اے انسان! تیرا پروردگار بے شک تاک
میں ہے" کہ ان اوقات عزیزہ میں کون کیا کر رہا ہے اور اپنے اوقات کن کاموں
میں گزار رہا ہے مطلب یہ کہ آیۂ کریمہ انّ ربّك لبالمرصاد جو آگے آرہی ہے
وہ اس کا جواب قسم ہے۔ یعنی ان تمام چیزوں کی قسم دیکر یہ جتا دینا مقصود ہے
کہ تمھارا پیدا کرنے والا، پالنے والا اور تربیت کرنے والا، رات دن، صبح و شام
تمھارا نگراں ہے کہ تم اس کی بے شمار نعمتوں سے سرفراز ہو کر ان کا شکر کس طرح
ادا کرتے ہو؟ اس کے بعد چند ناشکر گزار اقوام کا بیان آرہا ہے۔ ارشاد ہے:۔

89-6 89-7 اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ۝ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ۝
89-8 89-8 الَّتِىْ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِى الْبِلَادِ ۝ وَثَمُوْدَ الَّذِيْنَ جَابُوا
89-10 89-11 الصَّخْرَ بِالْوَادِ ۝ وَفِرْعَوْنَ ذِى الْاَوْتَادِ ۝ الَّذِيْنَ طَغَوْا
89-12 89-13 فِى الْبِلَادِ ۝ فَاَكْثَرُوْا فِيْهَا الْفَسَادَ ۝ فَصَبَّ عَلَيْهِمْ
89-14 رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ ۝ اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ۝ کیا آپ نے
نہیں دیکھا کیا کیا آپ کے پروردگار نے عادِ ارم کے ساتھ بڑے ستونوں والے
تھے کہ نہیں بنی مثال ان کی شہروں میں، اور ثمود کے ساتھ، جنھوں نے تراشا

سخت چٹانوں کو وادی میں' اور فرعون کے ساتھ جو میخوں والا تھا' یہ سب تھے

جنھوں نے سر اٹھایا ملکوں میں' پھر ان میں بہت خرابی پھیلائی' پھر پھینک مارا

ان پر آپ کے پروردگار نے کوڑا عذاب کا' بے شک ہے آپ کا پروردگار گھات میں"

الم تر کی تفسیر الم تر کی تفسیر جمہور مفسرین کرام نے الم تعلم' الم تخابر سے فرمائی ہے یعنی اے نبی کریم! کیا آپ کو معلوم نہیں یا کیا آپ کو یہ خبر نہیں پہنچی لیکن ارباب حقیقت فرماتے ہیں کہ یہاں رویت بالعین ہی مراد ہے یعنی کیا آپ نے قوم عاد و ثمود اور قوم فرعون وغیرہ کا حال برائی العین مشاہدہ نہیں فرمایا؟ ضرور دیکھا ہے۔ یہ اس بنا پر کہ سب سے پہلے حقیقت محمدیہ کی تخلیق عمل میں آئی ہے اور حقیقت محمدیہ تمام احوال کا مشاہدہ فرما رہی تھی۔ ہم نے جمہور کا قول ہی اختیار کیا ہے۔

عاد ارم کی تباہی ارشاد ہو رہا ہے کہ اے نبی کریم! کیا آپ کو خبر نہیں کہ آپ کے رب نے عادِ ارم یعنی عاد اولی کے ساتھ کیسا سلوک کیا جو نہایت قد آور اونچے پورے تنومند توانا تھے کہتے ہیں کہ ان میں سے ایک ایک کا قد بارہ بارہ گز کا بلکہ اس سے بھی اونچا تھا اور اپنی مناسبت کے مکانات' باغات اور خوب صورت محلات تعمیر کر کے ان میں سکونت رکھتے تھے۔ اس شہر کی خوبصورتی اس درجہ تھی کہ

کہیں اس کی مثال نہیں ملتی تھی۔ روح المعانی میں ہے: والاکثرون علی انها اسم مدینة عظیمة فی ارض الیمن والوصفان لها والمراد ذات البناء الرفیع او ذات الاساطین التی لم یخلق مثلها سعة وحسن بیوت وبساتین فی بلاد الدنیا۔ اکثر مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ ارم مملکت یمن کا ایک بڑا شہر ہے اور ذات العماد اور لم یخلق مثلها فی البلاد یہ دونوں وصف اسی شہر کے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ اونچے عالیشان مکانات اور ستونوں والا شہر کہ دنیا کے شہروں میں اتنا وسیع وخوبصورت شہر، باغات والا سابق زمانے میں کہیں نہیں بن سکا۔" مگر جب اس قوم نے اپنے پیغمبر حضرت ہود علیہ السلام کی نافرمانی کی تو اللہ سبحانہ تعالیٰ نے ان کو ہلاک کر کے چھوڑا۔ ان کی قوت وطاقت اور قد آوری یا دولت وتمول کچھ کام نہ آیا۔ کہتے ہیں کہ شداد کا باغ ارم بھی یہیں تھا۔ وہ بھی اس کا لطف نہ اٹھا سکا۔

قوم ثمود کی تباہی اسی طرح حضرت صالح علیہ السلام کی قوم ثمود کا حال بھی اے نبی کریم! آپ نے سنا ہوگا جنھوں نے سنگ تراشی میں وہ کمال پیدا کیا تھا کہ بڑے بڑے پہاڑوں اور سخت سے سخت چٹانوں کو تراش کر ان میں اپنے رہنے سہنے کے مکانات بناتے تھے تاکہ داغ دوزی، شکست و ریخت اور مرمت وغیرہ کی کبھی ضرورت نہ پڑے۔ ایسے پختہ مکانات کا شوق اس تصور میں ہوگا کہ یہاں ان کی بود و باش تا قیام قیامت رہے گی حضرت ابن عباسؓ جابوا الصخر بالواد کی تفسیر میں فرماتے ہیں: کانوا ینحتون من الجبال بیوتا۔ (ابن ابی حاتم، ابن جریر، ابن المنذر) پہاڑوں کو تراش کر رہنے سہنے کے مکانات بنایا کرتے تھے" مگر جب اپنے پیغمبر کی تکذیب کی تو دن دھاڑے ان پر ایسا زبردست طوفان باد آیا کہ ساری قوم تہس نہس ہوکر رہ گئی۔

قوم فرعون کی تباہی اسی طرح قوم فرعون کے ساتھ کیا معاملہ ہوا وہ بھی اے نبی کریم! آپ کی سماعت میں آیا ہوگا۔ فرعون ارض مصر کا جبار بادشاہ تھا۔ نہایت مغرور و متکبر اس کا غرور اس درجہ بڑھ گیا تھا کہ انا ربکم الاعلیٰ کا دعویٰ کیا کرتا اور جو اس کو تسلیم نہ کرے ان کے لئے چار میخیں تیار کر رکھی تھیں، جن سے گرفتار شدہ کے دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں باندھ دیتا۔ اس کے بعد پتھر کی ایک چٹان اس پر ڈال کر ہلاک کر دیتا۔ وفرعون ذی الاوتاد میں اسی کی طرف اشارہ ہے کہ میخوں والے فرعون کو ہم نے

کیسا ہلاک کیا اس کا حال بھی معلوم ہوگا۔

کفار قریش کیلئے عبرت بہرحال ان تین قوموں نے اپنے پیغمبروں کے احکام سے سرتابی کی تو ان پر سوط عذاب (عذاب کا کوڑا) برس پڑا۔ اس لئے کہ ان قوموں کی شرارت اور سرکشی کو آپ کا پروردگار دیکھ رہا تھا جب سرکشی انتہا کو پہنچ گئی اور کوئی صورت اصلاح کی باقی نہیں رہی تو وہ گرفتار عذاب ہوئے۔ اور ہر ایک قوم کو اس کے کرتوت کے پیش نظر مناسب حال سزا دی گئی۔ طوفانِ باد سے قوم عاد ہلاک ہوئی اور ثمود پر زلزلہ آیا اور قوم فرعون غرق کر دی گئی اور فرعون بھی اس کے ساتھ غرق ہوا۔ یہاں یہ بتانا منظور ہے کہ اللہ سبحانہ کے حکم کے آگے جب ایسے قدآور تناور قوم کی نہ چل سکی۔ اور اور پہاڑوں میں تراشے ہوئے ایسے مضبوط مکانات اللہ کے عذاب سے نہ بچا سکے۔ اور فرعون کی بادشاہت اور اس کی فوج مقابلہ نہ کر سکی تو اے نبی کریم! مکہ کے کافر جو نہ قوم عاد کی طرح تازہ توانا ہیں اور نہ ثمود کی طرح مضبوط مکانات رکھتے ہیں اور نہ فرعون جیسی حکومت اور فوج ان کی مدد کے لئے موجود ہے۔ آپ کی نافرمانی کر کے کس طرح محفوظ رہ سکتے ہیں ذرا سا انتظار کیجئے پھر دیکھئے کیا ہوتا ہے؟ چنانچہ بدر و حنین اور دیگر غزوات میں ان کی جو گت بنی اس پر تاریخ شاہد ہے۔

اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ کی تفسیر اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ۔ (اے نبی کریم!) بیشک

آپ کا رب ان کی گھات میں ہے ۔" دیکھ رہا ہے کہ کون ہماری نعمتوں سے سرفراز ہو کر شکر گزاری
میں لگا ہوا ہے اور کون ان نعمتوں پر اتراتا پھرتا ہے ۔ اسی طرح کوئی رنج و تعب میں ہوتا ہے تو
کون اس پر صبر کر کے راضی برضا رہتا ہے اور کون شکایت کرتا پھرتا ہے ؟ یہ نہیں سمجھنا کہ
دنیا میں رنج و راحت اس کی سعادت و شقاوت کی دلیل نہیں بلکہ دنیا امتحان گاہ
ہے ۔ راحت والوں کا امتحان بھی ہو رہا ہے اور مصیبت زدوں کا بھی ۔ اور اللہ سبحانہٗ
اس پورے امتحان گاہ کا نگراں ہے ۔ امتحان کا نتیجہ تو اپنے وقت پر شائع ہو گا ۔ مگر ان میں
کچھ امیدوار ایسے بھی ہوتے ہیں جو عین امتحان کی حالت میں بھی شرارت کرتے ہیں
جس سے دوسرے امیدواروں پر برا اثر پڑتا ہے ۔ ایسوں کو فوراً امتحان گاہ سے خارج
کر کے آئندہ کے لئے ممنوع الامتحان قرار دیا جاتا ہے اسی طرح عاد و ثمود اور قوم فرعون
کا حال سمجھ لیا جائے کہ رسولوں کی تکذیب کی وجہ سے ان کو امتحان گاہ سے اٹھا دیا
گیا اور ممنوع الامتحان قرار دیا گیا تاکہ دوسروں کو عبرت ہو اور نظم و نسق خلل پذیر
نہ ہونے پائے ۔

9-15 15. فَأَمَّا الإِنْسَانُ إِذَا مَا ابْتَلاهُ رَبُّهُ فَأَكْرَمَهُ وَنَعَّمَهُ
9-16 فَيَقُولُ رَبِّي أَكْرَمَنِ 16. وَأَمَّا إِذَا مَا ابْتَلاهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهُ
فَيَقُولُ رَبِّي أَهَانَنِ ؏ بس آدمی تو ایسا ہے کہ جب جانچے اس کو پروردگار اس کا

(۱۶ و ۱۵ ، آیت ۹)

اور عزت دے اس کو اور نعمت دے اس کو تو کہے میرے رب نے مجھے عزت دی۔ اور

جس وقت اس کو جانچے اور تنگ کرے اس پر اس کی روزی تو کہے میرے رب نے میری

ہتک کی۔"

انسان کی ظاہر بینی یعنی انسان کی سرشت یہ ہے کہ اگر اللہ سبحانہ اس کو دنیا میں عزت دے اور ہر طرح کی نعمتوں سے سرفراز کر کے اس کا امتحان کرے تو وہ یہ سمجھتا ہے کہ عنداللہ میں اسی سلوک کا مستحق ہوں جبھی تو اللہ نے مجھے ایسی عزت دی ہے۔ یہ نہیں سمجھتا کہ اس میں اس کا امتحان لیا جا رہا ہے وہ کہنے لگتا ہے کہ میرے رب نے مجھے عزت دی اور باعزت بنایا۔ اور جب اس کا امتحان رزق کی تنگی کے ذریعہ کیا جائے تو کہنے لگتا ہے کہ میرے رب نے مجھے ذلیل کیا اور میری ہتک کی اللہ کے نزدیک بھی میری کوئی قدر نہیں۔ حالانکہ رزق کی تنگی اور فراخی میں نہ کسی کی عزت ہے اور نہ ذلت انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کے حالات پڑھو تو معلوم ہوگا کہ انکی پاک زندگی عموماً فقر و فاقہ میں گزرتی رہی باوصف اسکے اللہ سبحانہ کے نزدیک ان بزرگوں سے بڑھ کر کوئی باعزت نہیں ہو سکتا۔ یہی حال ائمہ دین اور علماء و عارفین کا ہے۔ اسی طرح دنیا داروں، امراء اور بادشاہوں کو دیکھو انبیاء و اولیاء، علماء اور عرفاء کے ساتھ ان کو کیا نسبت ہو سکتی ہے۔

اصحاب صُفّہ کی ناداری حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:۔

رأیت سبعین من اھل الصفۃ ما منھم رجل علیہ رداء اما ازار واما کساء

قد ربطوہ فی اعناقھم فمنھا ما یبلغ نصف الساقین ومنھا ما یبلغ نصف
الکعبین فیجمعہ بیدہ کراھۃ ان تری عورتہ" میں نے ستر اصحابِ صُفّہ کو دیکھا
جن میں سے ایک کے پاس بھی چادر تک نہ تھی۔ یا تو صرف تہ بند تھا یا کمبل جس کو
اپنی گردنوں میں باندھ رکھا تھا کسی کا کمبل نصف ساق تک پہنچتا تھا اور کسی کا نصف
ٹخنے تک۔ اس کو وہ اپنے ہاتھ سے تھام لیتے تھے اس اندیشے سے کہ کہیں ستر کھل نہ جائے
جس سے بے ستری ہو۔" اصحابِ صفّہ نادار صحابۂ کرام کی ایک جماعت کا نام ہے جن کا
مدینہ پاک میں کوئی گھر بار نہ تھا۔ مسجد نبوی سے متصل ایک سائبان میں انکی بود و باش
تھی دراصل یہ طلبۂ علم دین تھے جو تحصیل علم کی خاطر سب کچھ چھوڑ کر یہاں اقامت
گزیں ہو گئے تھے۔ حضور اکرم ﷺ بنفس نفیس ان کی خبر گیری فرماتے اور ان کی گزر بسر کا
انتظام فرمایا کرتے۔ حضرت ابو ہریرہ بھی ان ہی میں شامل تھے۔ رضی اللہ عنہم اجمعین

9-17 كَلَّا بَلْ لَا تُكْرِمُونَ الْيَتِيمَ ۙ وَلَا تَحَاضُّونَ عَلَىٰ طَعَامِ
9-18
9-19 الْمِسْكِينِ ۝ وَتَأْكُلُونَ التُّرَاثَ أَكْلًا لَمًّا ۙ وَتُحِبُّونَ الْمَالَ
9-20
حُبًّا جَمًّا ۝ کوئی نہیں بلکہ تم عزت سے نہیں رکھتے یتیم کو" اور آپس میں تاکید نہیں
کرتے محتاج کو کھلانے کی" اور کھا جاتے ہو مردے کا مال سمیٹ کر سارا" اور محبت
رکھتے ہو مال کی جی بھر کر۔"

یتیم کا اعزاز یعنی تم جو خیال کرتے ہو واقعہ ایسا نہیں ہے۔ تمہارا تو یہ حال ہے کہ تم یتیم کو عزت سے نہیں رکھتے اور نہ اس کو عزت کی نظر سے دیکھتے ہو۔ اس کا باپ کیا مر گیا اس کی ساری عزت دفن ہو گئی حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کلمہ کی انگلی اور بیچ کی انگلی کو جمع کر کے فرمایا:۔ انا وکافل الیتیم کھاتین۔ میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا ان دو انگلیوں کی طرح جنت میں ملے ہوئے پاس پاس رہیں گے" آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا:۔ وہ گھر سب سے اچھا ہے جس میں یتیم کے ساتھ حسن سلوک کیا جاتا ہو۔ اور وہ گھر سب سے برا گھر ہے جس میں یتیم کے ساتھ بدسلوکی کی جاتی ہو" اس کے برخلاف عام لوگوں کا یہ حال ہے کہ یتیم کی عزت تو درکنار اس کا مال ہڑپ کر جانے کی فکر میں رات دن لگے رہتے ہیں۔ اس اندیشے سے کہ کہیں وہ بڑا ہو جائے تو مطالبہ کی نوبت نہ آنے پائے۔ صورت حال جہاں یہ ہو تو ان سے یتیم کو عزت کیساتھ رکھنے کی کیا توقع ہو سکتی ہے۔ حالانکہ اگر یتیم کو یہاں عزت دی جاتی یا کم از کم اس کے حقوق کا لحاظ ہی رکھا جاتا تو یہ عند اللہ خود کی عزت کا ذریعہ ثابت ہوتا۔ الاشباہ والنظائر میں ہے کہ یتیم سے معاوضہ ادا کئے بغیر خدمت لینا حرام ہے صرف اس کی ماں خدمت لے سکتی ہے دیگر اہل قرابت کو خدمت کا صلہ دینا چاہئے۔

مسکین کی حاجت روائی وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰی طَعَامِ الْمِسْکِیْنِ۔ اور تم

نہیں اُبھارتے ہو آپس میں مسکین کو کھانا کھلانے پر" یعنی تم پر بخل اور کوتاہ اندیشی کا تسلط اس درجہ ہے کہ محتاج کو خود تو کھانا کیا کھلاتے دوسروں کو اس جانب توجہ دلانا اور آمادہ کرنا تک تم پر بار ہے۔ اللہ کے پاس عزت چاہتے ہو تو جو کام وہاں عزت پانے کے ہیں یہاں اختیار کرنا چاہئے۔ عزت کے کام نہ کرو اور عزت کی امید رکھو تو یہ خیال خام ہے۔ ؎

ہر آنکہ تخم بدی کشت و چشم نیکی داشت
دماغ بیہدہ پخت و خیال باطل بست

عرب کی مہمان نوازی مشہور ہے مکہ والے باہر سے آنے والے حجاج کی خدمت تو دل کھول کر کیا کرتے تاکہ ان کی نیک نامی ہو یا خود کو کسی کا مہمان بننا پڑے تو تکلیف نہ اٹھانی پڑے اور اپنے احسان کا بدلہ مل جائے لیکن اپنے ہی وطن میں جو نادار اور محتاج ہوں ان کی خبر گیری نہ کرتے اور خبر گیری نہ سہی دوسروں کو بھی اس جانب متوجہ نہ کرتے اسی کو یاد دلایا جا رہا ہے کہ اگر آج محتاجوں کی خبر گیری کرو تو کل جبکہ تم حاجتمند ہو کر آؤ گے تو حاجت روائی کی امید ہو سکتی ہے۔

تأکلون التراث کی تفسیر وَ تَأْكُلُونَ التُّرَاثَ أَكْلًا لَّمًّا۔ میراث جو در اصل مُردے کا مال ہے۔ اپنی کمائی نہیں مُردے کے مال کی نوبت آتی ہے تو جائز ناجائز حلال و حرام اپنے اور دوسرے کے حق کا خیال کئے بغیر جس قدر ہاتھ لگا سمیٹ کر

لینے اور کھاجانے کی دُھن رکھتے ہو" اہل جاہلیت نے دستور بنا رکھا تھا کہ لڑکیوں کا وراثت میں کوئی حصہ نہیں۔ لڑکا اگر نابالغ ہو تو اس کا بھی حصہ نہیں۔ عاقل و بالغ لڑکا جو تلوار باندھ کر میدان جنگ میں آسکتا ہے وہی متروکہ کا حق دار سمجھا جاتا تھا یہ مقدس دین اسلام کا طفیل ہے کہ عورتوں کو بھی متروکہ کا حق دار بنایا گیا۔ اور ان کا درجہ بلند کیا گیا۔ نیز نابالغ کو بالغ اولاد کی طرح مساوی حصہ دار بنایا گیا۔

تحبون المال کی تفسیر | وَتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا۔ اور محبت رکھتے ہو تم مال سے بہت ہی محبت" حضرت سفیانؒ اس آیۂ کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ حضرت رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ مامنکم من احد الّا و مال وارثه احبّ الیه من ماله۔ قالوا یا رسول اللّٰہ ما منّا احد الّا و ماله احبّ الیه من مال وارثه۔ قال لیس لک من مالک الّا ما اکلت فافنیت ولبست فابلیت او اعطیت فامضیت۔ (ابن ابی حاتم) تم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہے مگر اس کے وارث کا مال اس کے نزدیک اپنے مال سے زیادہ محبوب تر ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جس کو اپنے وارث کا مال اپنے مال سے زیادہ محبوب تر ہو۔ اس پر حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ (تم کو حقیقت کی خبر نہیں کہ اپنا مال کونسا ہے اور وارث کا مال کونسا) تمہارا مال تو

وہی ہے جس کو تم اپنے کھانے میں خرچ کرکے ختم کردو۔ یا اس سے کپڑے تیار کرکے پہن لو اور
کپڑوں کو بوسیدہ کردو۔ یا (راہ خدا میں) دیکر آخرت کے لئے ذخیرہ کرلو۔" اس کے سوا
جو مال جمع کرکر کے رکھو گے وہ تمہارا مال نہیں بلکہ آگے چل کر وہ تمہارے وارث کا
مال ہو جائے گا۔ اور تم کو جمع کرنے ہی سے زیادہ محبت ہے۔ کھانے پینے، پہننے
اوڑھنے اور دینے دلانے سے محبت نہیں۔ سبحان اللہ! اپنے اور وارث کے مال کی
شناخت کس خوبی سے کرادی گئی۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

(۸۹ آیات ۲۱ تا ۲۶)

كَلَّآ اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا دَكًّا ۙ وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ
9-2 9-2 صَفًّا صَفًّا ۚ وَجِايْٓءَ يَوْمَئِذٍۢ بِجَهَنَّمَ ۙ يَوْمَئِذٍ يَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ
9-2 9-2 وَاَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى ۗ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِىْ قَدَّمْتُ لِحَيَاتِىْ ۚ فَيَوْمَئِذٍ
9-2 9-2 لَّا يُعَذِّبُ عَذَابَهٗٓ اَحَدٌ ۙ وَّلَا يُوْثِقُ وَثَاقَهٗٓ اَحَدٌ ۗ کوئی نہیں

جب پست کردی جائے زمین کوٹ کوٹ کر، اور آئے آپ کا رب، اور (آئیں) فرشتے
قطار قطار، اور لائی جائے اس دن دوزخ، اس دن سوچیگا آدمی، اور کہاں ہے اس کو
سوچنا، کہیگا کیا اچھا ہوتا جو میں کچھ آگے بھیج دیتا اپنی زندگی میں، پھر اس دن عذاب
نہ دے اس جیسا عذاب کوئی اور نہ باندھ کر رکھے اس جیسا باندھنا کوئی۔"

قیامت میں زمین مسطح کردی جائیگی

قیامت کا بیان فرمایا جارہا ہے کہ جب

وہ دن قریب ہوگا تو ایک زبردست زلزلہ آئیگا جس سے زمین کا نشیب و فراز دور ہو جائیگا اور ساری زمین سطح کر دی جائیگی چنانچہ حضرت انسؓ فرماتے ہیں :۔ تحمل الارض والجبال فیدک بعضها علی بعض (ابن ابی حاتم) زمین اور پہاڑ اوپر اٹھائے جائیں گے اور ایک ایک کو دوسرے سے ٹکرایا جائے گا" جس سے پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے اور زمین بھی پاش پاش ہو کر دونوں ایک سطح ہو جائیں گے۔ زمین اور پہاڑ جو اس عالم کے بڑے بڑے مخلوقات ہیں ان کا یہ حال ہوگا تو عالیشان مکانات، زبردست قلعے، درخت، حیوانات، نیز زمین کی کائنات اور ماوشما کس شمار و قطار میں ہوں گے، اسی سے قیامت کی ہولناکی ظاہر ہے۔ الامان والحفیظ۔ یہ تفسیر ہوئی اِذَا دُکَّتِ الْاَرْضُ کی

جَآءَ رَبُّكَ کی تفسیر | وَجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا۔ اور آئے آپ کا رب اور آئیں فرشتے قطار قطار"۔ پروردگار عالم کا آنا دیگر چیزوں کے ایک مقام سے دوسرے مقام پر آنے کی طرح نہ سمجھا جائے کیونکہ اللہ سبحانہ کی ذات زمان و مکان کے قیود سے منزہ ہے بلکہ یہ متشابہات سے ہے۔ یوں سمجھنا چاہیے کہ اللہ سبحانہ کا حکم آئے گا۔ یا ایک تجلی ہوگی جس سے تمام جن و انس پہچان جائیں گے کہ حق سبحانہٗ تعالےٰ کی تمامتر توجہ و عنایت کا مرکز آج سطح زمین ہے۔ کیونکہ ساتوں آسمان یکے بعد دیگرے اس وقت فنا ہو کر رہ جائیں گے۔ جس کی تعبیر کلام پاک میں کہیں اذا السماء انشقت

اور کہیں اذا السمآء انفطرت سے اور کہیں والسموات مطویات بیمینہ وغیرہ کے ساتھ فرمائی گئی ہے۔ یعنی جب کہ آسمان پھٹ جائے اور جب کہ آسمان چیر دیا جائے اور تمام آسمان اس کے داہنے ہاتھ پر لپیٹ دئے جائیں۔ بہرحال جس مقصد کے تحت آسمانوں کو بنایا گیا تھا اب اس کی ضرورت باقی نہ رہے تو ان سب کو پھاڑ کر پھینک دیا جائے گا یا ان کو طے کر کے رکھ دیا جائے گا۔ غرض کہ آسمان اپنی جگہ پر نہیں رہیں گے۔

والملک صفا صفا کی تفسیر ظاہر ہے کہ جب آسمان ہی نہیں رہیں گے تو اللہ سبحانہ کی مخلوق یعنی ملائکہ کرام جو وہاں مامور و متعین تھے ان کی ضرورت بھی وہاں نہیں ہوگی اور اس وقت سطح زمین ہی مرکز توجہ بنی رہیگی تو وہاں کے تمام فرشتے زمین پر آجائیں گے اور زمین کے اطراف قطار در قطار متعین ہوں گے۔ ایک ایک آسمان کے فرشتوں کی ایک ایک قطار بھی ہوگی تو سات آسمانوں کے ملائکہ کی سات قطاریں قائم ہونگی۔ اسی مضمون کی جانب آیۂ کریمہ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا میں ایما فرمایا جارہا ہے۔

روح المعانی میں ہے:۔ روی ان ملائکۃ کل سماء تکون صفا حول الارض فالصفوف سبعۃ علی ماھو الظاھر۔ روایات آئی ہیں کہ ہر آسمان کے فرشتوں کی زمین کے اطراف ایک ایک صف بنائی جائے گی۔ اس اعتبار سے ظاہر ہے کہ ایسی سات صفیں قائم ہونگی۔ ان حالات میں کسی مجرم کے لئے محال ہوگا کہ زمین سے

نکل کہیں بھاگ جانے کی فکر کرے۔ جب کوئی مفر ہی نہیں ہے تو دانشمندی کا تقاضا یہی ہے کہ کسی جرم کے ارتکاب کا ارادہ ہی ترک کر دیا جائے۔ اگر بھاگ نکلنے کی کوئی صورت مفید ہو سکتی ہے تو اس کی ایک ہی صورت ہے: — ففرّوا الی اللہ۔ اللہ سبحانہ ہی کی طرف بھاگ نکلو سب کو چھوڑ دو۔ ؎

فان سجدنا الیک نسجد وان سعینا الیک نسعیٰ

اے بارالٰہا! ہم سجدہ کریں گے تو آپ ہی کے آگے سجدہ ریز ہوں گے۔ اور اگر ہماری دوڑ کہیں ہو سکتی ہے تو ہماری ساری تگ و دو آپ ہی کی طرف ہے۔" کیا آپ نے چھوٹے بچوں کو دیکھا نہیں کہ جب ماں باپ ان کو کسی قصور پر مارتے ہیں تو جو بچہ احمق ہے وہ اِدھر اُدھر دوڑتا پھرتا ہے اور ماں باپ بھی اس کے ساتھ دوڑ دوڑ کر مارنے جاتے ہیں۔ لیکن جو بچہ عقلمند ہوتا ہے وہ ماں باپ ہی سے لپٹ جاتا ہے اس حالت میں وہ مارنا چھوڑ کر اس کو گودی میں اٹھا لیتے ہیں۔ اسی طرح اللہ سبحانہ کی مار اگر پڑنے لگے تو کمال دانائی یہی ہے کہ اُسی کے آگے سر بسجود ہو جائیں اور اسی کے آگے روئیں اور گڑگڑائیں پھر دیکھیں کہ اُس کی رحمت کاملہ و شفقت تامہ کس طرح اپنے بندوں کے شامل حال ہوتی ہے۔

وجآئ یومئذ بجہنم کی تفسیر | وَجِاْیٓءَ یَوْمَئِذٍ بِجَھَنَّمَ۔ اور لائی جائے

اس دن دوزخ" حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا:۔ یؤتی بجھنم یومئذ لھا سبعون الف زمام مع کل زمام سبعون الف ملک یجرونھا۔ (مسلم، ترمذی، ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ) قیامت کے دن دوزخ کو لایا جائے گا اس حالت میں کہ اس کی ستّر ہزار باگیں ہوں گی اور ہر باگ کو ستّر ہزار فرشتے تھامے ہوئے کھینچے لائیں گے" حضرت ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں:۔ لما نزلت ھذہ الآیۃ تغیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعرف فی وجھہ حتی اشتد علی اصحابہ مارأوا من حالہ فسألہ علیؓ فقال جاء جبرئیل فاقرأنی ھذہ الآیۃ کلّا اذا دکّت الارض دکّا دکّا وجاء ربک والملک صفّا صفّا وجائ یومئذ بجھنم فقیل وکیف یجاء بھا قال یجیئ بھا سبعون الف ملک یقودونھا بسبعین الف زمام فتشرد شردۃ لو ترکت لاحرقت اھل الجمع۔ (ابن مردویہ) جب یہ آیات کریمہ نازل ہوئیں تو حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حال متغیر ہو گیا ایسا کہ اس کے آثار چہرہ مبارک سے نمایاں تھے۔ صحابۂ کرام نے آپ کا یہ حال دیکھا تو ان پر گراں گزرا۔ اس موقع پر حضرت سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے عرض کیا کہ کیا بات ہے؟ حضرت نے فرمایا کہ

جبرئیل آئے اور مجھے یہ آیات پڑھائیں (کلا اذا دکت سے وجائ یومئذ بجھنم تک) پھر عرض کیا گیا کہ جہنم کو کیسے لایا جائے گا تو ارشاد ہوا کہ اس کو ستر ہزار فرشتے کھینچ لائیں گے۔ اس کی ستر ہزار باگیں پکڑ کر۔ اسی اثناء میں جہنم ایک دفعہ ان کے ہاتھوں سے چھوٹ جائے گی۔ (پھر وہ فوراً اس کو تھام لیں گے) اگر وہ (ذرا سی دیر کے لئے چھوٹی ہوئی رہتی تو) تمام اہل محشر کو جلا کر خاکستر کر دیتی" اسی مضمون کی اور بھی روایات کتب احادیث شریفہ میں دیگر صحابہؓ کبار سے مروی ہیں۔

یومئذ یتذکر کی تفسیر | يَوْمَئِذٍ يَتَذَكَّرُ الْإِنْسَانُ وَأَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى

اس دن انسان سوچتا رہیگا مگر اب اس کو سوچنے کا کیا موقع ہے؟" قیامت کی ہولناکی کا یہ منظر جب کافروں کے سامنے درپیش ہوگا تو وہ غور و فکر میں ڈوب جائیں گے۔ لیکن اب غور و فکر سے کیا فائدہ ہوگا کیونکہ اس کا مقام تو دار دنیا تھا جو دار العمل بنایا گیا تھا۔ اور کافی مدت تک وہاں ٹھہرنے کا موقع دیا گیا تھا۔ اور اس کی یاد دہی کے لئے کتابیں اتاری گئی تھیں اور پیغمبروں کو بھیجا گیا تھا۔ انھوں نے عمر بھر کفار کو سمجھانے کی سعی بلیغ کی اور بہتیرا سمجھایا مگر ان کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی تھی۔ دنیا ختم ہوگئی مگر نصیحت کی بات ان کی سمجھ میں نہیں آئی۔ اب آخرت کا

میدان دیکھ کر پیغمبروں کی نصیحتیں یاد آرہی ہیں اور ایک ایک امر کی تصدیق ہوتی جارہی ہے اور ہر ایک کافر پچھتاتے ہوئے یوں کہتا جاتا ہے :۔

یالیتنی قدمت کی تفسیر | یٰلَیۡتَنِیۡ قَدَّمۡتُ لِحَیَاتِیۡ ۔اے کاش! میں اپنی دو روزہ دنیوی زندگی ہی میں اپنے عمل کا کچھ سرمایہ آخرت کی دائمی حیات میں کار آمد ہونے کے لئے پہلے ہی بھیج دیا ہوتا تو وہ آج میرے لئے کار آمد ہوتا" حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اس آیہ کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: علم واللہ انه صادق هناك حياة طويلة لا موت فيها احسن مما عليه ۔(ابن ابی شیبہ) کافر جو منکر قیامت تھا آج جان لیگا کہ مر کر اٹھنا حق ہے ۔وہاں طویل زندگی ہے ایسی کہ اس میں موت نہیں اور یہ اخروی زندگی' اس دنیوی زندگی سے کہیں بہتر ہے" حضرت ضحاک فرماتے ہیں: قوله يتذكر الانسان قال يريد التوبة ۔ وفی قوله يا ليتنی قدمت لحياتی عملت فی الدنيا لحياتی فی الآخرة ۔ (ابن ابی حاتم) یعنی ایک ایک کافر قیامت کو دیکھ کر توبہ کرنے کا ارادہ کرے گا (مگر توبہ کا موقع اب کہاں رہا جب اس سے مایوس ہوا تو پچھتانا شروع کرے گا اور کہیگا کہ اے کاش! کہ دنیا میں رہ کر آخرت کا کچھ سامان کر لیا ہوتا" مگر ایسے بعد از وقت پچھتاوے سے بھی اس کو کیا نفع پہنچ سکتا ہے؟ اس کی یہ تمام کاوشیں بے سود ہونگی۔

مومن صالح کی حسرت حضرت محمد بن ابی عمیرہؓ فرماتے ہیں:۔ لوان عبدا جر علی وجھہ من یوم ولد الی ان یموت ھرما فی طاعۃ اللہ الی یوم القیامۃ لود انہ رد الی الدنیا کیما یزداد من الاجر والثواب (امام احمدؒ، بخاری فی التاریخ، طبرانی) اگر کوئی بندہ پیدا ہونے کے دن سے، بوڑھا ہو کر مرنے تک بلکہ قیامت کا دن آنے تک اللہ سبحانہ کی طاعت میں منہ کے بل کھینچا جاتا ہے تو پھر بھی اس کو آرزو ہوگی کہ کاش اس کو دنیا میں دوبارہ واپس بھیج دیا جاتا تاکہ اس طرح طاعت میں لگا رہ کر اس سے زیادہ اجر و ثواب کا مستحق قرار دیا جائے۔" مطلب یہ ہے کہ دنیا چونکہ مزرعۃ الآخرہ ہے اس لئے نیکوکار مومن کو بھی دنیا میں دوبارہ آنے کی آرزو ہوگی تاکہ خوب نیکیاں کما کر زیادہ اجر و ثواب حاصل کرے۔ دنیا میں آنے کی آرزو صرف کافر ہی کو نہیں بلکہ مومن کو بھی ہوگی۔ لہٰذا افسوس ہے ان پر جن کو ایمان لانے اور نیکیوں کے حاصل کرنے کا موقع حاصل ہے پھر بھی وہ اس سے گریز کرتے ہیں بلکہ کفر و فسق میں پڑے ہوئے ہیں۔

عذاب الٰہی کی شدت فَيَوْمَئِذٍ لَا يُعَذِّبُ عَذَابَهُ أَحَدٌ ۝ وَلَا يُوثِقُ وَثَاقَهُ أَحَدٌ ۝ پس اس دن ایسا عذاب دیگا کہ اس جیسا عذاب کوئی نہ دے سکے گا۔ اور اس کو گرفتار کر کے) ایسا باندھا جائے گا ایسا باندھنا

کسی سے ممکن نہ ہوگا۔" حضرت ابن عباسؓ تفسیر میں فرماتے ہیں:۔ لا یعذب بعذابہٖ
احد ولا یوثق وثاق اللہ احد ۔(ابن ابی حاتم) "اللہ سبحانہ کے عذاب کی طرح
دوسرا کوئی ایسا عذاب نہ دے سکیگا اور نہ اللہ سبحانہ کے باندھن کی طرح دوسرا کوئی اس کو
باندھ سکتا ہے۔" یعنی یہاں یہ بتانا منظور ہے کہ سزا کے بھی مدارج ہیں۔ ایک سزا وہ
ہے جو زبانیہ (دوزخ کے فرشتوں) کے ذریعہ دی جاتی ہے اور دوسری وہ جو منتقم حقیقی
خود ہی دوسروں کے واسطے کے بغیر سزا دے تو ظاہر ہے کہ منتقم حقیقی کی سزا کے برابر کسی
اور کی سزا کب ہوسکتی ہے۔ یہ علامت اس امر کی ہے کہ مکذبین یعنی کتاب اللہ اور اسکے
پیغمبروں کو جھٹلانے والوں کی سزا راست طور پر بلا واسطہ احدے دی جائے گی اور
یہ اللہ سبحانہ کے کمال غضب کی دلیل ہے۔ اللّٰھم نخشٰی عذابك ان عذابك
بالکفار ملحق۔ الٰہی! ہم آپ کے عذاب سے ڈرتے ہیں یقیناً آپ کا عذاب
کافروں کو لاحق ہوگا۔"

يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۝ ارْجِعِيٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً
مَّرْضِيَّةً ۝ فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ ۝ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ ۝ ع "اے اطمینان پکڑنے
والی!! پھر چل اپنے رب کی طرف، تو اس سے راضی، وہ تجھ سے راضی، پھر شامل ہو میرے
بندوں میں، اور داخل ہو میری جنت میں۔"

(آیات ۲۷ تا ۳۰) ع ۱۴/۳ ۸۹

نفس مطمئنہ کا اعزاز کفار و مکذبین کا حال بیان کرنے کے بعد مومنین مصدقین کے احوال شریفہ کا بیان فرمایا جارہا ہے یا یوں سمجھ لیجئے کہ کفار کا بیان سننے کے بعد سوال پیدا ہوتا تھا کہ کفار کو تو آخرت میں پچھتاوا رہیگا یَا لَیْتَنِیْ قَدَّمْتُ لِحَیَاتِیْ اے کاش! کہ میں آخرت کی زندگی کے لئے حسن عمل کا کچھ توسرمایا بھیجا ہوتا" اور یہ پچھتاوا ان کو کوئی نفع نہ دے گا۔ لیکن جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے ان کے ساتھ کیا سلوک ہوگا؟ تو اس کا جواب دیا جارہا ہے کہ مومنین صالحین کا حال کیا پوچھتے ہو ان کے نفوس تو نفوس مطمئنہ تھے۔ الا بذکر اللہ تطمئن القلوب۔ آگاہ رہو کہ اللہ سبحانہ کی یاد سے دل سکون واطمینان پاتے ہیں" وہ جب تک دنیا میں تھے اللہ سبحانہ کی یاد کے بغیر ان کو چین ہی نہیں پڑتا تھا۔ وہ اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے کھاتے پیتے سوتے جاگتے اللہ سبحانہ کی دھیان میں رہتے تھے۔ ان کو خطاب الٰہی ہوگا:۔ یٰاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِیْۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً اے چین پکڑنے والی جان! رجوع ہو اپنے پروردگار کی طرف، اس حال میں کہ تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی" اس سے راضی ہونے کی صورت یہ تھی کہ یہ کلمہ اسکی رگ و پے میں سرایت کیا ہوا تھا:۔ رضینا باللہ ربا و بالاسلام دینا و بمحمد صلی اللہ علیہ وسلم نبیا و رسولا۔ و بالقرآن اماما و بالکعبۃ قبلۃ و بالمومنین

کلھم اخوانا۔ ہم دل وجان سے خوش ہیں کہ اللہ سبحانہ ہمارا رب ہے اور اسلام ہمارا دین ہے، اور حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے نبی ورسول ہیں اور قرآن کریم ہمارا امام وپیشوا ہے اور کعبۃ اللہ شریف ہمارا قبلۂ توجہ ہے اور تمام اہل ایمان ہمارے بھائی ہیں" اور اللہ سبحانہ ان سے راضی وخوشنود اس طرح کہ بندے کی رضا رب کی رضا کی موجب ہے۔ بلکہ حقیقت یوں ہے کہ بندے کی رضا اللہ سبحانہٗ کی رضا کا اثر اور نتیجہ ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں بار بار ارشاد ربانی فرمایا گیا ہے:۔ رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ۔ اللہ ان سے رضامند ہوا تبھی تو وہ بھی اس سے رضامند ہوئے"

نفس مطمئنہ کی تفسیر نفس مطمئنہ سے کیا مراد ہے؟ حضرت ابن عباسؓ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں:۔ المؤمنۃ۔ (ابن ابی حاتم، ابن مردویہ، ضیاء مقدسی) مومن کامل کا نفس مراد ہے" اور دوسرے موقع پر فرمایا:۔ المصدّقۃ۔ (ابن جریر، ابن المنذر) اللہ سبحانہٗ کی کتابوں اور اس کے بھیجے ہوئے رسولوں کی تصدیق کرنے والا" اور حضرت مجاہدؒ نے فرمایا:۔ التی ایقنت بان اللہ ربھا۔ (سعید بن منصور، فریابی، عبد بن حمید، ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم) نفس مطمئنہ وہ ہے جس کو یقین کامل حاصل ہو کہ اللہ سبحانہ تعالٰی ہی اس کا رب ہے" یعنی اللہ سبحانہ تعالٰی کی ذات ہی اس کی کارساز ہے۔ اسی سے

اس کو چین پڑتا ہے۔ اس کے بغیر اطمینان نصیب نہیں ہوتا۔ اسی بنا پر مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ مومن کو اللہ سبحانہ کی ربوبیت پر ایسا اعتماد و دل بستگی حاصل ہو جیسی کہ مچھلی کو پانی سے اور پرندے کو ہوا سے دل بستگی ہوتی ہے۔ اور یہ صفت اسی وقت حاصل ہوتی ہے جبکہ نفس امّارہ رذائل سے پاک اور فضائل سے بہرۂ کامل رکھتا ہو۔ اور یہ ممکن نہیں تا آنکہ تجلیات رحمانی کے ذریعہ اس کو فنا فی اللہ اور بقا باللہ میسر ہو۔ یعنی نفس امارہ بالکلیہ فنا ہو کر نفس لوامہ کے درجہ سے گزر کر نفس مطمئنہ کی صفت اختیار کرلے۔ نفس امّارہ کا بیان سورۂ یوسفؑ کی تفسیر میں آئے گا۔ انشاء اللہ المستعان۔

نفس لوامہ کا بیان نفس کی ایک صفت نفس لوامہ کی ہوتی ہے۔ اس کا درجہ نفس امّارہ سے بالاتر اور نفس مطمئنہ کے تحت ہے۔ نفس لوّامہ رذائل سے بالکلیہ پاک تو نہیں ہوتا لیکن جب کبھی اس سے کوئی قابل ملامت حرکت صادر ہوتی ہے تو وہ اس حرکت پر اپنے آپ کو ملامت کرتا رہتا ہے۔ اسی وجہ سے اس کو لوّامہ کہتے ہیں۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اذا سرّتك حسنتك وساءتك سيّئتك فانت مؤمن۔ جب تم کو اپنی نیکی بھلی معلوم ہو اور اپنی برائی بری دکھائی دے تو اس حالت میں بھی تم صاحب ایمان ہو۔ لیکن کوئی انسان برائی کرے اور اپنی برائی اس کو بری دکھائی نہ دے بلکہ اس کو بھلی معلوم ہو تو یہ صورت بہت ہی خطرناک ہے۔

العیاذ باللہ۔ نفس لوامہ کی تفسیر سورۂ قیامہ کی ابتدا میں گزر چکی۔ وہاں ملاحظہ کرلی جائے۔

ارجعی الی ربک کی تفسیر اِرْجِعِیْٓ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً۔ (اے اطمینان والی جان!) اپنے پروردگار کارساز کی طرف لوٹ جا۔ (جہاں سے تو آئی تھی) درحالیکہ تو اس سے راضی اور خوشنود اور وہ تجھ سے راضی اور خوشنود" تو دنیا میں جب تک تھی اسی تگ و دو میں لگی ہوئی تھی کہ کسی طرح اپنے رب کی رضا و خوشنودی حاصل کروں اور یہاں وہ کام کرتی رہوں جس سے میرا رب راضی رہے۔ اب یہاں سے چلنے کی ٹھہری ہے تو تیرے رب نے جو تمام عالمین کا بھی رب ہے تیرے لئے وہ تمام انتظامات کر رکھے ہیں جن کو دیکھ کر قدم قدم پر تجھے خوشی اور مسرت حاصل ہو۔

حضرت صدیق اکبرؓ کی منقبت حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ نزلت هذه الآیة وابوبکر جالس فقال یا رسول اللہ ما احسن هذا فقال اما انه سیقال لك هذا۔ (ابن ابی حاتم، ابن مردویہ، ضیاء مقدسی)

یہ آیہ کریمہ جس وقت نازل ہوئی حضرت ابوبکر صدیقؓ بھی وہاں حاضر تھے۔ اس کو سُن کر عرض کیا کہ اللہ کے اے پیارے رسول! یہ کیا ہی بہتر خطاب ہے (جو پروردگار عالمین کی طرف سے اس کے بندوں کو فرمایا جا رہا ہے) اس پر حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ (ابوبکر!) آگاہ رہو کہ عنقریب تمہیں بھی اس خطاب سے

ہی خطاب فرمایا جائے گا۔" اسی مضمون کی روایات حضرت سعید بن جبیرؓ سلیم بن ابی عامرؒ اور خود حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے بھی مروی ہیں جن کو عبد بن حمیدؒ ابن جریرؒ ابن ابی حاتمؒ ابن مردویہؒ ابونعیمؒ اور حکیم ترمذی نے اپنی کتب احادیث شریفہ میں نقل کیا ہے۔

حضرت ذوالنورینؓ کی فضیلت

حضرت ابن عباسؓ نے یہ بھی فرمایا:۔ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من یشتری بئر رومۃ نستعذب بھا غفر اللہ لہ فاشتراھا عثمان فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ھل لک ان تجعلھا سقایۃ للناس قال نعم فانزل اللہ فی عثمان یاایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی۔ (ابن ابی حاتم) حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کوئی ہے جو بئر رومہ کو خرید لے۔ ("بئر رومہ" مدینہ منورہ کے ایک کنویں کا نام ہے جس کا پانی اور باؤلیوں سے شیریں تر ہے) ہم اس کے میٹھے پانی سے مستفید ہوں گے اور اللہ سبحانہ تعالیٰ اس خریدار کو (اپنی رحمت کاملہ سے) بخش دیگا۔ یہ سنتے ہی حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو خرید لیا۔ اس پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عثمانؓ سے ارشاد فرمایا کیا تم سب لوگوں کے لئے اس سے مستفید ہونے کا

موقع دیتے ہو؟ تو انھوں نے عرض کیا میں خوشی سے اس پر راضی ہوں۔ اس موقع پر یہ آیات کریمہ نازل ہوئیں۔" یہ تو شان نزول ہوا۔

رجوع کی کیفیت اس آیہ کریمہ کی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں :۔ تردّ الارواح یوم القیامۃ فی الاجساد ۔ (ابن جریر) قیامت کے دن تمام روحیں (اپنے اپنے) اجسام میں داخل ہوں گی۔" اور حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں :۔ یسیل وادمن اصل العرش فتنبت فیہ کل دابۃ علی وجہ الارض ثم تطیر الارواح فتؤمر ان تدخل الاجساد فھو قولہ ارجعی الی ربك راضیۃ مرضیہ ۔ (ابن ابی حاتم) عرش اعظم کی اصل سے ایک ندی بہتی جائے گی جس کے بہاؤ سے روئے زمین کی ہر جاندار چیز از سرِ نو اُگ جائے گی پھر روحیں اڑ اڑ کر آئیں گی ان کو حکم ہوگا کہ وہ اپنے اپنے جسد میں داخل ہوں ارشاد باری تعالیٰ ارجعی الی ربك سے یہی مراد ہے۔"

تفسیر حضرت حسن بصریؒ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں :۔ ان اللہ اذا اراد قبض عبدہ المؤمن اطمأنت النفس الیہ واطمأن الیھا ورضیت عن اللہ ورضی اللہ عنھا امر بقبضھا فادخلھا الجنۃ وجعلھا من عبادہ الصالحین (ابن ابی حاتم) اللہ سبحانہ تعالیٰ کو جب منظور ہوتا ہے کہ اپنے بندہ مومن کی روح قبض

فرمائے تو بندے کا نفس اللہ سبحانہ کے حضور میں حاضری سے مطمئن ہوتا اور اللہ سبحانہ اس بندے سے مطمئن ہو جاتا ہے۔ وہ اللہ سبحانہ سے راضی ہوتا ہے اور اللہ سبحانہ اس سے رضامند ہو جاتے ہیں۔ اس کی روح قبض کرنے کا حکم دیتے ہیں اور اس کو جنت میں داخل کرتے اور اس کا شمار اپنے صالحین بندوں میں فرما دیتے ہیں۔"

تفسیر حضرت ابو صالحؒ حضرت ابو صالحؒ فرماتے ہیں: ھذا عند الموت رجوعھا الی ربھا خروجھا من الدنیا فاذا کان یوم القیامۃ قیل لھا فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی۔ (ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم) ارجعی الی ربک کا یہ خطاب بندے کو اس کی وفات کے وقت فرمایا جاتا ہے۔ بندے کا اپنے رب کی طرف رجوع ہوتا اس کا دنیا سے نکل جاتا ہے (جہاں وہ دنیا سے نکلا رب کی طرف رخ کیا) پھر جب قیامت کا دن ہو گا تو اس نفس سے کہا جائے گا (جو خوشی خوشی اپنے رب کی طرف رجوع ہوا تھا) میرے (مخلص) بندوں میں شامل ہو اور میری (پیدا کی ہوئی) جنت میں جا داخل ہو۔"

سوال منکر و نکیر کے وقت روح جسد میں رہتی ہے حضرت محمد بن کعب قرظیؒ نے فرمایا: ——— ان المؤمن اذا مات رأی منزلہ من الجنۃ فیقول تبارک و تعالی یا ایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی

جسدك الذی خرجت منہ راضية مارأیت من ثوابی مرضیا عنك حتی یسألك منکر ونکیر۔ (ابن المنذر) مومن اپنی وفات کے ساتھ ہی جنت میں اپنا ٹھکانا دیکھ لیتا ہے اسوقت اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہوتا ہے کہ اے اطمینان والی جان! اپنے جسد کی طرف لوٹ جا جس سے تو نکل آئی تھی۔ تو میرا ثواب دیکھ دیکھ کر خوش ہوتی جا۔ تجھ سے ہم خوش ہوتے رہینگے۔ (اپنے جسد میں اسوقت تک ٹھہری رہ) تا آنکہ تجھ سے منکر ونکیر سوال کرلیں۔" اسکے بعد اپنے رب کی طرف رجوع ہونا ہوگا۔

مومن کو تین دفعہ خوشخبری حضرت زید بن اسلمؓ فرماتے ہیں:۔ بشرت بالجنة عند الموت وعند البعث ويوم الجمع۔ (ابن المنذر، ابن ابی حاتم) نفوس مطمئنہ کو تین دفعہ جنت کی خوشخبری دیجاتی ہے۔ ایک تو اسکی وفات کے وقت، دوسری اسکے قبر سے زندہ ہوکر اٹھنے کے وقت اور تیسری تمام لوگوں کے ایک جگہ حشر میں جمع ہونے کے وقت۔" نفس مطمئنہ کو اسطرح جب تین دفعہ خوشخبری دیجاتی ہے تو یہ اس قابل ہے کہ اللہ سبحانہ سے اسکی درخواست کی جائے۔

نفس مطمئنہ کے حصول کیلئے دعا چنانچہ حضرت ابو امامہؓ فرماتے ہیں:۔ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لرجل قل اللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ نَفْسًا مُّطْمَئِنَّةً تُؤْمِنُ بِلِقَائِكَ وَتَرْضٰی بِقَضَائِكَ وَتَقْنَعُ بِعَطَائِكَ۔ (طبرانی، ابن عساکر) حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کو یہ دعا تعلیم فرمائی یوں کہو کہ اے اللہ! میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ مجھے ایسے اطمینان وچین والی جان مرحمت فرمائیے جو آپ سے ملنے کا یقین رکھتی ہو۔ اور آپکے حکم اور

فیصلے سے خوش اور رضامند رہے اور آپ کے دئے ہوئے پر قناعت کرے" یہ تین صفات جب کسی انسان میں جمع ہو جائیں تو اس کا نفس بھی نفوس مطمئنہ میں شامل ہوگا۔ اور یہ اللہ سبحانہ کے فضل و کرم سے کچھ بعید نہیں ہے۔

حضرت ابن عباس کی وفات کا عجیب واقعہ حضرت سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں: مات ابن عباس رضی اللہ عنہما بالطائف فجاء طیر لم تر علی خلقتہ فدخل نعشہ ثم لم یر خارجا منہ فلما دفن تلیت ھذہ الآیۃ علی شفیر القبر لا یدری من تلاھا یا ایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی۔ (ابن ابی حاتم، طبرانی)

طائف شریف میں حضرت حبر الامۃ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی وفات ہوئی تو ایک عجیب پرندہ آیا جس کو کسی نے کبھی نہیں دیکھا تھا (کہ ایسا بھی کوئی خوبصورت پرندہ ہوتا ہے) اور آپ کے جنازے میں گھس گیا۔ پھر اس کو باہر آتا ہوا کسی نے نہیں دیکھا جب آپ کو دفن کر دیا گیا تو قبر کے کنارے پر یہ آیات کریمہ پڑھی گئیں مگر معلوم نہ ہو سکا کہ کس نے پڑھیں۔ وہ سورۃ والفجر کی یہی آخری آیات ہیں:۔ یا ایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی۔ اے چین و سکون والی جان! اپنے پروردگار کی طرف لوٹ جا درحالیکہ تو اس سے خوش ہے اور وہ تجھ سے رضامند ہے پھر میرے نیک بندوں میں شامل ہو اور میری جنت میں داخل ہو"

الحمد للہ کہ سورۃ والفجر کی تفسیر ختم ہوئی۔ وصلی اللہ تعالیٰ وسلم علی خیر خلقہ سیدنا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین والحمد للہ رب العالمین۔